Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)
Volume 3 Issue 1, Spring 2023
ISSN(P): 2790 8216 ISSN(E): 2790 8224
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

Article QR

سزائے موت: پاکستان پر عائد عالمی ذمہ داری، تحقیقی جائزہ

Title: **Capital Punishment: International Obligation on Pakistan**

Author (s): Muhammad Sadiq Kakar [1], Syeda Salva Ahmed Zaidi [2]

Affiliation (s): [1]Vrije University, Brussel, Belgium
[2]International Islamic University, Islamabad, Pakistan.

DOI: https://doi.org/10.32350/mift.31.05

History: Received: January 5, 2023, Revised: March 11, 2023, Accepted: April 14, 2023, Published: June 20, 2023

Citation: Kakar, Muhammad Sadiq and Syeda Salva Ahmed Zaidi. “Capital Punishment: International Obligation on Pakistan.” *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 3, no.1 (2023): 62–72. https://doi.org/10.32350/mift.31.05

Copyright: © The Authors

Licensing: This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest

A publication of
Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Sciences and Humanities
University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

سزائے موت: پاکستان پر عائد عالمی ذمہ داری، تحقیقی جائزہ

Capital Punishment: International Obligation on Pakistan

Muhammad Sadiq Kakar*

Vrije University, Brussel, Belgium

Syeda Salva Ahmed Zaidi

International Islamic University, Islamabad, Pakistan.

Abstract

This paper examines the compatibility of international human rights law and Islamic law regarding capital punishment in the Pakistani context. Despite the adoption of the Second Optional Protocol to the International Covenant on Civil and Political Rights (ICCPR) by the United Nations in ١٩٨٩, which aimed to completely abolish the death penalty worldwide, countries continued to practice capital punishment for several offences. The paper highlights Pakistani laws and discusses the challenges that hinder the country from ratifying the Optional Protocol. The paper suggests an adaptable solution to the issue by analysing the restrictions of death penalty under Islamic Law. Principally, both Islamic law and international human rights law consider the protection of life and endurance of justice to be very significant, but the conflict, which has raised the discrepancy is in the priorities between the interests of the individual and the public at large. This paper presents a comprehensive and impartial study to bridge the gap between International Human Rights Law and Pakistani domestic laws. Moreover, ICCPR also requires minimal death penalties in a legal system, it is mandatory for Pakistan, being a member party, to curtail the punishment in the domestic legal system. It seeks to examine the challenges that arise when reconciling these two systems and propose possible solutions.

Keywords: International Human Rights Law, ICCPR, Death Penalty, Islamic Law, Pakistan.

۱. تعارف

سزائے موت کے لئے قانون کی کتابوں میں Capital Punishment کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب ہے کہ بعض مخصوص جرائم کے ارتکاب پر کسی مجرم کو موت کی سزا دینا۔ یہ بات واضح ہے کہ معلوم انسانی تاریخ کے ہر دور میں متعدد جرائم پر موت کی سزا دی جاتی رہی ہے۔[1] ان میں سے بعض جرائم واقعی گھناؤنے قسم کے تھے جبکہ دیگر کئی سارے کم نوعیت کے جرائم پر بھی سزائے موت دی جاتی تھی جو گھناؤنے بالکل بھی نہیں تھے۔ قدیم دور میں ان جرائم پر سزائے موت کو نہ تو کبھی چیلنج کیا گیا تھا اور نہ ہی اسے سرے سے ختم کرنے کا سوال اٹھایا گیا۔ انسان نے شعوری و لاشعوری طور پر سزائے موت کو کئی جرائم کی سزا کے لئے آخری حل کے طور پر قبول کر لیا تھا۔ یہ سزا اسلام سے پہلے اور بعد کے زمانوں

---

*Corresponding author: Muhammad Sadiq at Muhammad.Sadiq@vub.be

[1] روجر ہود، capital punishment | Definition, Debate, & Facts، [آن لائن] Encyclopedia Britannica، https://www.britannica.com/topic/capital-punishment [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۱۰ ستمبر ۲۰۲۲]۔

میں بدستور رائج رہی۔ البتہ اسلام نے سزائے موت دینے پر کئی قیود و شرائط لگا کر سزائے موت کے حامل جرائم کی تعداد کو صرف چند جرائم تک محدود کر دیا۔ نیز اسلام نے سزائے موت کے جرم کو ثابت کرنے کے لئے گواہی اور ثبوتوں کا معیار بھی انتہائی سخت کر دیا، تاکہ کسی بے گناہ کو ناحق سزائے موت نہ دی جاسکے۔

قدیم یونان میں افلاطون[چوتھی صدی قبل مسیح] کا یہ دعویٰ تھا کہ سزائے موت صرف عادی مجرموں کو ہی دی جاسکتی ہے، جبکہ بعد کے زمانے میں یونان کے دوسرے فلسفی اور قانون دان ڈریکوDraco[ساتویں صدی قبل مسیح] نے اس رائے سے اختلاف کیا اور یونانیوں کے لئے نئے قوانین بنائے جن کے تحت سزائے موت آتش زنی، غداری اور قتل کے علاوہ بعض کم نوعیت کے جرائم پر بھی دی جاتی تھی۔[2] قدیم یونان کے بعد رومیوں نے بھی متعدد جرائم کے لئے سزائے موت مقرر کی تھی۔ ان قدیم تہذیبوں کے علاوہ بھی سزائے موت کو دنیا کے تمام بڑے مذاہب نے تسلیم کیا ہے اور ہر مذہب کے قوانین میں اس کا ذکر موجود ہے۔[3] ماضی قریب میں نیشن سٹیٹ کے تصور کے آنے کے بعد بھی دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں سزائے موت کا قانون موجود تھا اور بعض ممالک میں انتہائی معمولی بلکہ مضحکہ خیز جرائم پر بھی موت کی سزا کا قانون ریاستی نظام کا حصہ تھا۔[4]

تاریخی اعتبار سے ہر مذہب اور ہر قانونی نظام میں ذکر ہونے کے باوجود حالیہ دور میں سزائے موت کے خلاف ایک عالمی تحریک پائی جاتی ہے کہ یہ انسانی حقوق کا دور ہے اور اب کسی انسان کو خواہ وہ مجرم ہی کیوں نہ ہوں، موت کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ موجودہ دور کے انسانی حقوق کے معاہدات میں ہر انسان کے لئے "Right to Life" یعنی زندہ رہنے اور جینے کا حق بنیادی اور پیدائشی حق مانا گیا ہے کہ اس حق سے کسی بھی انسان کو اس کی اجازت کے بغیر محروم نہیں کیا جاسکتا۔[5] لیکن دوسری طرف دنیا کے کئی ممالک میں اب بھی سزائے موت رائج ہے باوجود اس کے کہ انسانی حقوق کے کارکن اسے انسانی عظمت و وقار کے خلاف سمجھتے ہیں اور اس سزا کو مکمل طور پر ختم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سزائے موت کے حق اور مخالفت میں دونوں طرف سے کئی دلائل دیئے جاتے ہیں لیکن اس پیپر میں صرف اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ سزائے موت کے خلاف پایا جانے والا یہ بنیادی فلسفہ پاکستانی قانونی نظام سے کتنی مطابقت یا مخالفت رکھتا ہے۔ اور اس بات کو بیان کیا جائے گا کہ اقوام متحدہ کی جانب سے پیش کیے گئے

---

[2] ڈریکو قدیم یونانی فلسفی اور قانون دان تھا، جس نے ایک قانونی ضابطہ متعارف کروایا جس میں اس نے گھناونے اور سادہ نوعیت کے جرائم پر موت کی سزا مقرر کی تھی۔ مزید تفصیل دیکھیئے: https://www.britannica.com/biography/Draco-Greek-lawgiver[آخری بار دیکھا گیا: ۱۰ ستمبر ۲۰۲۲]

[3] روجر ہود، capital punishment | Definition, Debate, & Facts، [آن لائن]، Encyclopedia Britannica، https://www.britannica.com/topic/capital-punishment[آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۱۰ ستمبر ۲۰۲۲]۔

[4] امریکی ریاست ورجینیا میں ۱۶۱۲ میں گورنر نے ایک قانون لاگو کیا، جس میں انگور چرانے، مرغیاں مارنے اور انڈین کے ساتھ کاروبار کرنے پر بھی سزائے موت مقرر تھی۔ تفصیلات دیکھیئے: https://deathpenaltyinfo.org/facts-and-research/history-of-the-death-penalty/early-history-of-the-death-penalty[آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۱۰ ستمبر ۲۰۲۲]

[5] کسی انسان کو اس کی مرضی سے موت دینا یورپ کے اکثر ممالک میں کوئی جرم نہیں ہے۔ اسے Euthanasia Law کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کسی بیماری سے تنگ ہے تو ڈاکٹر اسے آسان موت دے سکتے ہیں۔ حال ہی میں بیلجیئم کے اندر Mortier vs Belgium کا کیس ملکی عدالتوں سے ہوتا ہوا یورپین عدالت برائے انسانی حقوق فرانس تک جا پہنچا جس میں مذکورہ خاتون کو اس قانون کے تحت ایک ڈاکٹر نے موت دی تھی اور اس کی بیٹی کو اس بات پر اعتراض تھا کہ موت دینے سے پہلے اسے نہیں بلایا گیا جو اس کا قانونی حق تھا۔

عالمی معاہدات اور بین الاقوامی دباؤ کے باوجود پاکستان کے لئے ملکی آئین و قانون ہی بالاتر ہے اور آخر میں اس امر کا بھی جائزہ لیا جائے گا کہ موجودہ آئین و قانون میں اس بات کی کتنی گنجائش ہے کہ پاکستان بھی سزائے موت کے خاتمے کے معاہدے پر دستخط کر کے اس معاہدے کا فریق بن جائے۔

سزائے موت کو ختم کرنے کے لئے اقوام متحدہ نے انسانی حقوق کے عالمی معاہدات میں تدریجاً کئی قدم اٹھائے، پہلے ہر انسان کے لئے جینے کا حق تسلیم کیا گیا اور پھر جن ممالک نے سزائے موت برقرار رکھی تھی ان سے سزائے موت کو صرف گھناؤنے جرائم تک محدود کرنے کی بات کی گئی اور آخر میں ایک بین الاقوامی معاہدہ کے تحت سزائے موت کو بین الاقوامی انسانی حقوق کے خلاف قرار دے کر تمام رکن ممالک سے اس معاہدے کا فریق بننے کی درخواست کی، جس پر اس سزا کے خلاف عالمی سطح پر ایک تحریک چل پڑی اور مختلف بین الاقوامی تنظیمیں اور ممالک اب کئی طریقوں سے دباؤ ڈال کر سزائے موت کو دنیا سے مکمل ختم کرنے کا ہدف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

گزشتہ صدی کے دوران کئی معاہدوں میں زندہ رہنے اور جینے کے حق کی اہمیت واضح کرنے کے بعد اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۸۹ میں شہری اور سیاسی حقوق پر بین الاقوامی معاہدے [ICCPR-۱۹۶۶] کا "دوسرا اختیاری پروٹوکول، جس کا مقصد سزائے موت کو ختم کرنا ہے" منظور کیا، جس کی رو سے معاہدے کے تمام فریق ممالک سنگین و گھناؤنے جرائم سمیت کسی بھی طرح کے جرم میں کسی مجرم کو سزائے موت نہ دینے کے پابند ہونگے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دہائیوں تک سزائے موت کے خلاف جس فلسفہ کی آبیاری ہوتی رہی، کہ زندہ رہنے کا حق ہر انسان کا ایک ایسا بنیادی اور پیدائشی حق ہے جسے کسی بھی صورت میں اس سے نہیں چھینا جاسکتا اور حکومت یا کسی بھی عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی انسان سے یہ پیدائشی حق چھین سکیں۔ اس معاہدے کے آرٹیکل ۲ میں خود ایک مخصوص حالت میں سزائے موت کی اجازت دے کر اس پورے فلسفہ سے انکار کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اصول قانون میں استثنیٰ کا ہونا معیوب نہیں ہے بلکہ قانونی اصول اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ کسی بھی قانون سے کسی چیز کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ لیکن یہاں قانون یا اصول قانون کی بحث کے بجائے سزائے موت کے خلاف وہ بنیادی فلسفہ ہے جو دہائیوں پر محیط ہے کہ جینے کا حق وہ قطعی حق ہے جو ہر حال اور ہر صورت میں دنیا کے تمام انسانوں کو ملنا چاہیئے، ایسے میں کسی مخصوص حالت کو مستثنیٰ قرار دے کر کیسے اس فلسفہ کی اہمیت برقرار رکھی جاسکتی ہے۔ مذکورہ معاہدے کے آرٹیکل ۲ میں کہا گیا ہے کہ مذکورہ پروٹوکول میں کوئی تحفظ کی شرط قابل قبول نہیں ہے سوائے اس کے کہ کسی ملک کی جانب سے معاہدے کی توثیق یا الحاق کے وقت ہی یہ ریزرویشن پیش کیا گیا ہو کہ جنگی حالات میں سزائے موت کو برقرار رکھا جائے گا تاکہ مذکورہ ملک فوجی نوعیت کے سنگین ترین جرائم پر سزائے موت دے سکیں۔[۶] کیا مذکورہ فلسفے کی رو سے جنگی جرائم میں ملوث افراد کو جینے کا بنیادی و قطعی حق حاصل نہیں ہوگا جس پر سزائے موت کے خلاف تحریک کے فلسفے کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ اس پروٹوکول کے آنے کے بعد اگرچہ کچھ اسلامی ممالک نے بھی مذکورہ پروٹوکول کی توثیق کی ہے،[۷] لیکن اکثر اسلامی ممالک نے ابھی

[۶] آرٹیکل ۲، بین الاقوامی معاہدہ برائے شہری اور سیاسی حقوق پر بین الاقوامی کا "دوسرا اختیاری پروٹوکول، جس کا مقصد سزائے موت کو ختم کرنا ہے"۔

[۷] جن مسلمان ملکوں نے سزائے موت ختم کرنے والے معاہدے کی توثیق کی ہے ان میں ترکی، جبوتی، کرغستان اور قزاقستان شامل ہیں۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھیئے: https://indicators.ohchr.org/ [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۲۷ دسمبر ۲۰۲۲]۔

تک اس پروٹوکول کی توثیق نہیں کی ہے کیونکہ یہ معاہدہ اسلامی احکامات کی صریح خلاف ورزی پر مشتمل ہے۔[۸] اسلامی قانون کی رو سے سزائے موت کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بسا اوقات کچھ مخصوص جرائم میں جرم کے ثبوت کے بعد سزائے موت دینا لازمی بھی ہے۔[۹]

سزائے موت کے خلاف مذکورہ پروٹوکول کے آنے کے بعد دیگر مسلمان ممالک کی طرح پاکستان نے بھی اپنے مخصوص آئینی و قانونی پابندیوں کی وجہ سے ابھی تک مذکورہ معاہدے کی توثیق نہیں کی ہے کیونکہ پاکستان آئینی طور پر اس بات کا پابند ہے کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی کر سکتا ہے اور نہ ہی بین الاقوامی سطح پر کسی ایسے معاہدے کا فریق بن سکتا ہے جو قرآن و سنت کی صریح خلاف ورزی پر مشتمل ہو۔ پاکستان میں اس وقت تینتیس ایسے جرائم ہیں جن کے لیے سزائے موت دی جاسکتی ہے،[۱۰] قیام پاکستان کے وقت یہ تعداد نصف درجن سے زائد نہ تھی،[۱۱] جن میں قتل، غداری اور ریل کی پٹری کو نقصان پہنچانے جیسے جرائم شامل تھے۔[۱۲] سزائے موت کے جرائم میں اس قدر اضافہ نے ایک طرف بین الاقوامی سطح پر بھی پاکستان کے اوپر سوالات اٹھادیئے ہیں تو وہی اندرونی طور پر یہ سوال بھی اٹھایا جاسکتا ہے کہ آخر وہ کونسی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے مقننہ نے اتنے سارے جرائم کی سزا کے طور پر قتل کو ہی آخری حل تجویز کیا ہے۔ اگرچہ بعض لوگ شرعی قوانین کے نفاذ کو اس کی وجوہات بتاتے ہیں لیکن پاکستان کے قانونی نظام میں سزائے موت والے موجودہ جرائم میں بہت کم جرائم ایسے ہیں جن کا ماخذ شریعت ہے، اور یہ سزائیں حدود و قصاص پر مشتمل ہیں جن سے انحراف نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ واجب من اللہ ہیں۔ البتہ پاکستانی نظام کی وہ سزائیں جن کا ماخذ شریعت نہیں ہے بلکہ مقننہ کے بنائے گئے قوانین ہیں اور اسلامی احکامات سے متصادم نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے نظام کا حصہ ہیں[۱۳] تو ان سزاؤں کو بین الاقوامی انسانی حقوق [International Human Rights Law] کے قوانین اور دستاویزات کے مطابق تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا اسلامی قانون کے منافی نہیں ہوگا۔ بین الاقوامی شہری وسیاسی حقوق کے معاہدے کے دوسرے اختیاری پروٹوکول میں چونکہ حدود و قصاص سمیت تمام جرائم میں سزائے موت کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اسی لئے پاکستان نے اس کی توثیق نہیں کی۔ واضح رہے کہ اسلامی قوانین میں سزائے موت والے حدود و قصاص کے جرائم کی تعداد اگرچہ بہت کم ہیں اور ان میں جرم کو ثابت کرنے کے لئے گواہی اور شہادتوں کے شرائط بھی اس قدر سخت ہیں کہ جرم ثابت کرنا کافی مشکل ہے۔ لہٰذا ان جرائم میں سزائے موت کی نوعیت بالکل مختلف ہے اور شریعت کے وضع کردہ سخت ترین شرائط کے عدم وجود یا اس میں کمی کی صورت میں یہ سزا نہیں سنائی جاسکتی۔ یہ از خود اس سزا کی کمی کی ایک صورت ہے۔

پاکستان نے مذکورہ پروٹوکول کی توثیق نہ کرنے کے باوجود بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے ۲۰۰۸ میں پھانسی کی سزا پر عمل درآمد کرنے پر غیر اعلانیہ پابندی عائد کر دی تھی، یہ پابندی ۲۰۱۴ تک برقرار رہی اور اس دوران پورے ملک میں کسی ایک مجرم کو بھی پھانسی کی سزا نہیں دی گئی۔

---

[۸] دوسرا اختیاری پروٹوکول دیکھیئے: https://www.ohchr.org/sites/default/files/ccpr-death.pdf [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۲۷ دسمبر ۲۰۲۲]۔

[۹] حدود و قصاص کے جرائم میں۔

[۱۰] جسٹس پراجیکٹ پاکستان، Death Penalty in Pakistan [سٹےٹسٹکس ریپورٹ ۲۰۲۲] ص، ۲۔

[۱۱] انٹرنیشنل فیڈریشن فار ہیومن رائٹس، Slow march to the gallows: Death penalty in Pakistan (جنوری ۲۰۰۷)، ۲/۴۶۴، ص ۵، دیکھیئے: https://www.refworld.org/docid/46f14691f0.html [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۲۷ جون ۲۰۲۲]۔

[۱۲] جسٹس پراجیکٹ پاکستان، Death Penalty in Pakistan [سٹےٹسٹکس ریپورٹ ۲۰۲۲] ص، ۳۔

[۱۳] پاکستان میں قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی، اگر مقننہ ایسا کوئی قانون پاس کرتی ہے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو تو فیڈرل شریعت کورٹ اس قانون کو ختم کر سکتی ہے۔ دیکھیئے: آرٹیکل ۲۰۳ (د) اور ۲۲۷، آئین پاکستان۔

دسمبر ۲۰۱۴ میں آرمی پبلک سکول، پشاور پر ہونے والے دہشت گردانہ حملے کے واقعہ کے بعد یہ پابندی اٹھالی گئی۔[۱۴] دہشت گردی کے اس واقعہ میں ۱۴۰ افراد بشمول طلبا، اساتذہ اور سیکورٹی اہلکار شہید ہوئے تھے۔[۱۵] پابندی اٹھائے جانے کے بعد صرف ایک مہینے میں پاکستان میں ۳۳۲ افراد کو پھانسی دے دی گئی۔[۱۶] بعد ازاں دوبارہ پھانسی کی سزا پر عمل درآمد شروع ہوا اور بعض ایسے افراد کو بھی پھانسی دی گئی جن کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ وہ جرم کرتے وقت نابالغ تھے لیکن پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے بھی ان نابالغ سزا یافتہ افراد کی اپیلیں خارج کردیں۔[۱۷]

اقوام متحدہ، یورپی یونین سمیت مختلف ممالک اور بین الاقوامی تنظیمیں دنیا کے تمام ممالک سے مسلسل سزائے موت کو مکمل ختم کرنے پر اصرار کررہی ہیں۔ اس لئے اس مسئلے کو بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون کے اصولوں کے ساتھ شریعت (اسلامی قانون) کے اصولوں کے نقطہ نظر سے جانچنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی ملکوں بالخصوص پاکستان کے لئے کوئی قابل قبول حل تلاش کیا جاسکے۔ ایمنیسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۵ میں دنیا بھر میں جتنی پھانسیاں دی گئیں تھی، ان میں سے ۹۰ فیصد صرف تین اسلامی ملکوں میں دی گئیں، جن میں پاکستان، ایران اور سعودی عرب شامل ہیں۔[۱۸] البتہ اس رپورٹ میں چائنہ میں ہونے والی پھانسیوں کی تعداد شامل نہیں ہے کیونکہ چائنہ اسے قومی راز کے طور پر محفوظ رکھتاہے اور سزائے موت کا ڈیٹا عالمی برادری میں نشر نہیں کرتا۔[۱۹] بین الاقوامی انسانی حقوق، اسلامی قانون اور پاکستانی قانونی نظام کے درمیان فرق کو کم کرنے کے لئے تینوں جہتوں کا مطالعہ لازمی ہے اور اس مقالے میں ایسا حل تلاش کیا جائے گا جو سب کے لئے کسی حد تک قابل قبول ہو۔

۲. سزائے موت اور بین الاقوامی انسانی حقوق کا قانون

موجودہ دور کو بین الاقوامی انسانی حقوق کا دور کہا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی معاہدوں کی وجہ سے بیشتر حقوق ایسے ہیں جنہیں دنیا کے تمام ممالک نے تسلیم کیا ہے اور ہر ملک اس بات کا پابند ہے کہ اپنے تمام شہریوں کو یہ حقوق فراہم کرے اور کسی بھی صورت میں اپنے شہریوں سے یہ حقوق چھین کر ان معاہدات کی خلاف ورزی نہ کرے۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کے اس آفاقی منشور میں بعض حقوق ایسے بھی ہیں جنہیں عالمی سطح پر بطور حق ابھی تک تمام ممالک نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ انہی میں سے ایک حق "Right to Life" یعنی زندہ رہنے اور جینے کا ایک ایسا حق بھی ہے جسے کوئی عدالت یا حکومت بھی کسی انسان سے نہ چھین سکے۔ جس کے لئے سزائے موت کا خاتمہ لازمی ہے تاکہ کسی انسان کو اس حق سے محروم نہ کیا

---

[۱۴] جسٹس پراجیکٹ پاکستان، پاکستان میں سزائے موت کا استعمال۔ دیکھیئے: https://data.jpp.org.pk/ur/page/vr۳ndbefc۰o [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۲۰ جون ۲۰۲۲]۔

[۱۵] وائس آف امریکا۔ سانحہ آرمی پبلک سکول، کب کیا ہوا؟، https://www.urduvoa.com/a/time-line-of-army-public-school-case-۱۰nov۲۰۲۱/۶۳۰۷۳۱۳.html [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۱۵ جون ۲۰۲۲]۔

[۱۶] دیکھیئے: https://tribune.com.pk/story/۱۰۲۸۵۱۱/pakistan-executed-۳۳۲-after-reinstatingdeath-penalty-%۲۰report/ [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۲۷ اگست ۲۰۲۲]۔

[۱۷] دیکھیئے: https://www.dawn.com/news/۱۱۷۷۹۳۴/shafqat-hussain-to-be-executed-onmay-%۲۰۶ [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۵ دسمبر ۲۰۲۲]۔

[۱۸] دیکھیئے: https://www.amnesty.org/en/latest/research/۲۰۱۶/۰۴/death-sentences-executions-۲۰۱۵/ [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۸ مارچ ۲۰۲۲]۔

[۱۹] مرجع سابق۔

جا سکے۔ کیونکہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے عالمی منشور کے مطابق [زندگی کا حق] ایک ایسا مسلم حق ہے جسے کسی صورت بھی کسی انسان سے نہیں چھینا جا سکتا۔ یہ حق ہر انسان کو پیدائشی طور پر ملتا ہے اور کسی دوسرے انسان کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کسی کو سزائے موت دے کر اس سے زندگی کا بنیادی حق چھین لے۔ اسی بنیاد پر بین الاقوامی انسانی حقوق کے ماہرین اور سکالرز پوری دنیا سے سزائے موت کے مکمل خاتمہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سزائے موت کو مکمل طور پر ختم کرنے کی بات سب سے پہلے چیزیرے بیکاریہ [Cesare Beccaria][20] نے ۱۷۶۷ میں کی، انہوں نے 'جرائم اور ان کی سزائیں' پر ایک مشہور اور جامع مضمون "On Crimes and Punishment" لکھا اور اس مضمون میں انہوں نے اس بات پر دلائل دیئے کہ [ریاست کی طرف سے کسی انسان کی جان لینے کا کوئی جواز نہیں]۔[21] اس مضمون نے سزائے موت کے خاتمے کے فلسفے پر گہرا اثر ڈالا، اور اس کے بعد دیگر کئی فلسفی اور قانون دان اس فلسفے سے متفق نظر آئے۔ اس کے بعد کی دو صدیوں میں جب یہ فلسفہ اہل قانون کے ہاں مضبوط ہوا تو اسی کی بنیاد پر کئی ممالک نے سزائے موت کو اپنے قانونی نظام سے ختم کر دیا یا پھر عمل درآمد مکمل روک دیا۔[22]

۱۹۴۵ میں جب اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا، تو اس کا مقصد دنیا کے تمام ممالک کو ایک چھتری تلے ڈھانپنا اور دنیا کے لیے کچھ بین الاقوامی معاہدوں کی تشکیل دینا تھی، تاکہ بنی نوع انسان کو دوبارہ جنگ عظیم جیسی تباہی سے بچایا جا سکے۔ کیونکہ ماضی قریب میں انسانیت نے دو عالمی جنگیں دیکھی تھیں تو ان سے سبق سیکھنا اور آپس میں معاہدے کرنا ایک لازمی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ عام انسانوں کے حقوق کی خلاف ورزی سے بچا جا سکے۔[23] اقوام متحدہ نے بہت ہی کم وقت میں انسانی حقوق کے منشور کے طور پر ایک مسودہ تیار کیا اور ۱۹۴۸ میں انسانی حقوق کے اہم دستاویز کے طور پر "انسانی حقوق کا عالمی منشور (UDHR)" دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ کو فرانس کے شہر پیرس میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں انسانی حقوق کا عالمی منشور پیش کیا گیا اور اس منشور کو تمام لوگوں اور اقوام کے لئے کامیابیوں کا ایک مشترکہ معیار قرار دیا گیا۔[24] اقوام متحدہ کی اس قرارداد میں دیگر کئی حقوق کے علاوہ یہ بھی کہا گیا کہ "ہر شخص کو زندگی، آزادی اور شخصی حفاظت کا حق حاصل ہے"۔[25] یہ منشور اگرچہ قانونی طور پر باقاعدہ معاہدہ نہیں لیکن یہ انسانی حقوق کا ایک ایسا منشور بن گیا کہ بعد میں ہونے والے انسانی حقوق کے سب معاہدوں

---

[20] چیزیرے بیکاریہ [۱۷۳۸-۱۷۹۴] کا تعلق اٹلی سے تھا اور وہ علم جرائم اور فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاستدان بھی تھے۔ انہیں ایک باصلاحیت مفکر اور قانون دان مانا جاتا ہے۔

[21] دیکھئیے: https://deathpenaltyinfo.org/facts-and-research/history-of-the-death-penalty/the-abolitionist-movement [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۸ مارچ ۲۰۲۲]۔

[22] وینیز ویلا دنیا کا پہلا ملک تھا جس نے ۱۸۶۳ میں سزائے موت کو مکمل ختم کر دیا۔ دیکھئیے گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ:
https://www.guinnessworldrecords.com/world-records/first-abolition-of-death-penalty
[آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۲۵ جنوری ۲۰۲۳]۔

[23] اقوام متحدہ کے بارے میں تفصیلات دیکھئیے: https://www.un.org/en/about-us [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۸ اکتوبر ۲۰۲۲]۔

[24] جنرل اسمبلی قرارداد نمبر، اے ۲۱۷، دیکھئیے: https://www.un.org/en/about-us/universal-declaration-of-human-rights
[آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۸ نومبر ۲۰۲۲]۔

[25] آرٹیکل ۳، انسانی حقوق کا عالمی منشور۔

کے لئے ایک بنیاد کے طور پر آج بھی یہی منشور رائج ہے اور یہ منشور بعد میں ہونے والے کئی معاہدوں پر اثر انداز بھی ہوا ہے۔[26] یہ منشور بنیادی انسانی حقوق کا عالمی سطح پر تحفظ کے لئے ایک مشترکہ معیار طے کرتا ہے چنانچہ یہ منشور انسانی حقوق کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور کے اجرا کے فوراًبعد اسلامی جمہوریہ پاکستان سمیت کئی ممالک نے منشور کے حق میں ووٹ دیا۔ انسانی حقوق کے منشور کے اس اعلان کو دنیا بھر میں مختلف قابل ذکر شخصیات کی جانب سے پذیرائی حاصل کرنے میں کامیابی ملی اور دوسری طرف مختلف مسلم علماء کی طرف سے اس پر تنقید بھی کی گئی، کہ اس منشور کے بعض حصے اسلامی قوانین سے متصادم ہیں۔[27] مزید بر آں، مملکت سعودی عرب سمیت کچھ دیگر اسلامی ریاستوں نے UDHR کے بارے میں اسلام کے احکام سے اس کے جزوی تضاد کی بنیاد پر سوالات بھی اٹھائے۔ اسی وجہ سے ۱۹۹۰ میں مسلم ممالک نے انیسویں کانفرنس برائے وزرائے خارجہ کے دوران مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں انسانی حقوق کے حوالے سے ایک الگ منشور بھی اپنایا، اسے "قاہرہ منشور برائے اسلام میں انسانی حقوق" یا صرف قاہرہ منشور Cairo Declaration بھی کہا جاتا ہے۔[28] اسلامی ملکوں کی جانب سے قاہرہ منشور اپنانے کے بعد اس بات پر بحث شروع ہوگئی کہ اسلامی ممالک نے انسانی حقوق پر جو قاہرہ منشور اپنایا ہے وہ انسانی حقوق کے عالمی منشور کا متبادل ہے یا اس کا تکمیلی ہے۔ ۱۰ دسمبر ۲۰۰۷ کو جب اقوام متحدہ میں پاکستانی سفیر نے یہ بات کہی کہ قاہرہ ڈیکلیریشن انسانی حقوق کے عالمی منشور کا متبادل نہیں بلکہ دراصل اس کی تکمیل ہے تو عالمی برادری کی جانب سے ایک بار پھر اس بات پر اعتراضات ہوئے اور کہا گیا کہ قاہرہ منشور دراصل ان وسیع حقوق کو محدود کرتی ہیں جو UDHR میں دیئے گئے تھے۔[29]

انسانی حقوق کے عالمی منشور کے اعلان کے بعد اقوام متحدہ نے انسانی حقوق کے تحفظ پر کام جاری رکھا اور دسمبر ۱۹۶۶ میں دو عالمی معاہدے دنیا کے سامنے پیش کیے، جن میں سے ایک معاہدہ "بین الاقوامی میثاق برائے شہری اور سیاسی حقوق (ICCPR)" جبکہ دوسرا "بین الاقوامی میثاق برائے اقتصادی، سماجی اور ثقافتی حقوق (ICESCR)" ہے۔ دونوں معاہدے میں الگ الگ حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ شہری و سیاسی حقوق میں ذاتی جبکہ دوسرے معاہدے میں معاشرتی حقوق کو بیان کیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کی جانب سے ان معاہدوں کے پیش کئے جانے کے بعد بہت سارے

---

[26] انسانی حقوق کا عالمی منشور کا مسودہ مختلف پس منظر اور مختلف ثقافت سے تعلق رکھنے والے افراد نے مل کر تیار کیا تھا، جسے بعد میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے قرارداد کی صورت میں پاس کروایا گیا۔ دیکھیئے: https://www.un.org/en/about-us/universal-declaration-of-human-rights [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۸ نومبر ۲۰۲۲]۔

[27] انسانی حقوق کے عالمی منشور کے آرٹیکل ۱۶ میں کہا گیا ہے کہ تحت مرد وعورت ہر چیز اور زندگی کے تمام زاویوں میں برابر ہیں اور انہیں شادی اور طلاق کے برابر حقوق حاصل ہونگے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات شریعت سے متصادم ہے۔

[28] دیکھیئے: http://www.bahaistudies.net/neurelitism/library/Cairo_Declaration_on_Human_Rights_in_Islam.pdf [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۲ جنوری ۲۰۲۳]۔

[29] مزید تفصیل کے لئے دیکھیئے: https://humanists.international/۲۰۰۸/۰۳/islamic-law-vs-human-rights/ [آخری بار دیکھا گیا: ۱۰ اگست ۲۰۲۲]۔

ممالک نے ان معاہدوں پر دستخط کر کے ان کی توثیق کی۔ اول الذکر معاہدہ ۲۳ مارچ [۳۰] جبکہ آخر الذکر معاہدہ ۳ جنوری ۱۹۷۶ کو نافذ ہوا۔ [۳۱] "بین الاقوامی میثاق برائے شہری اور سیاسی حقوق "بین الاقوامی سطح پر دنیا کے تمام افراد کے شہری اور سیاسی حقوق کا احاطہ کرتا ہے اور تمام فریق ممالک میں ان حقوق کا تحفظ یقینی بناتا ہے۔ [۳۲]

بین الاقوامی میثاق برائے شہری اور سیاسی حقوق کے آرٹیکل ۶ میں تمام انسانوں کے لئے "زندگی کے حق" کو بطور پیدائشی و فطری حق مانا گیا ہے۔ آرٹیکل ۶ میں کہا گیا کہ: "ہر انسان کو زندگی کا فطری حق حاصل ہے، یہ حق قانون کے ذریعہ محفوظ کیا جائے گا اور کسی بھی انسان کو زبردستی اس حق سے محروم نہیں کیا جائے گا"۔ [۳۳] مذکورہ آرٹیکل میں مزید سزائے موت کے خاتمے پر بھی زور دیا گیا ہے، تاکہ اس حق کا حصول یقینی بنایا جا سکے۔ اور جن ریاستوں نے ابھی تک سزائے موت کو ختم نہیں کیا ہے ان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس سزا کے اطلاق کو صرف سنگین جرائم تک محدود کیا جائے، اور ہر مجرم کو سزائے موت قانون کے مطابق صرف مجاز عدالت کے فیصلے کے بعد دی جائے۔ [۳۴] زندگی کا حق ایک فطری و پیدائشی حق ماننے اور سزائے موت کو محدود کرنے کی وجہ سے اس معاہدے کو بین الاقوامی سطح پر سزائے موت کے کم سے کم نفاذ پر قائل کرنے والے معاہدے کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ وقتاً فوقتاً دنیا کے ممالک اس معاہدے پر دستخط کر کے فریق بنتے گئے اور ۱۷ اپریل ۲۰۰۸ کو پاکستان نے بھی اس معاہدے پر دستخط کیے اور [۳۵] اور ۲۳ جون ۲۰۱۰، کو اس کی توثیق کی، جس سے پاکستان بھی باقاعدہ اس معاہدہ کا فریق بن گیا اور اب بین الاقوامی قانون کی رو سے پاکستان پر اس معاہدے کی پابندی لازمی ہے۔ [۳۶] یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ بین الاقوامی قانون کے تحت کسی معاہدے کا فریق بننے کی صورت میں معاہدے کی پاسداری کے ساتھ ساتھ اس معاہدے کے بنیادی مقاصد کے خلاف بھی کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن پاکستان نے بین الاقوامی میثاق برائے شہری اور سیاسی حقوق ۱۹۶۶ کا فریق ہونے کے باوجود حالیہ سالوں میں قانون سازی کر کے کچھ مزید جرائم کو بھی سزائے موت کی لسٹ میں ڈال دیا ہے۔ [۳۷]

---

[۳۰] دیکھئیے: https://www.ohchr.org/sites/default/files/Documents/ProfessionalInterest/ccpr.pdf [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۱۸ نومبر ۲۰۲۲]۔

[۳۱] دیکھئیے: https://www.ohchr.org/sites/default/files/cescr.pdf [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۱۸ نومبر ۲۰۲۲]۔

[۳۲] دیکھئیے: https://www.ohchr.org/sites/default/files/ccpr.pdf [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۱۱ جون ۲۰۲۲]۔

[۳۳] آرٹیکل ۶، بین الاقوامی میثاق برائے شہری اور سیاسی حقوق ۱۹۶۶۔

[۳۴] آرٹیکل ۶(۲)، بین الاقوامی میثاق برائے شہری اور سیاسی حقوق ۱۹۶۶۔

[۳۵] دیکھئیے: https://www.amnesty.org/en/latest/news/۲۰۰۸/۰۴/pakistan-ratifies-key-un-human-rights-treaty-۲۰۰۸۰۴۱۸/ [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۲ جنوری ۲۰۲۳]۔

[۳۶] حکومت پاکستان، وزارت انسانی حقوق، ۲۰۲۲۔ دیکھئیے: https://mohr.gov.pk/SiteImage/Misc/files/Information%۲۰and%۲۰Learning%۲۰Material%۲۰on%۲۰Core%۲۰Human%۲۰Rights%۲۰Convention.pdf [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۲ جنوری ۲۰۲۳]۔

[۳۷] پاکستان نے ۲۰۲۱ میں سیکشن ۳۱۵ اے کا اضافہ کر کے اجتماعی زیادتی اور ۲۰۲۲ میں کنٹرول آف نارکوٹکس ایکٹ میں ترمیم کر کے ۵ کلوگرام کوکین اور ۶ کلوگرام ہیروئن اور افیون پر بھی سزائے موت مقرر کر دی۔

اقوام متحدہ کی جانب سے آئی سی سی پی آر کا معاہدہ اپنانے کے بعد علاقائی سطح پر بھی سزائے موت کے خلاف معاہدے ہوئے[۳۸] لیکن بین الاقوامی سطح پر اگلی پیش رفت ۱۹۸۹ میں اقوام متحدہ کی جانب سے بین الاقوامی میثاق برائے شہری اور سیاسی حقوق کے دوسرے اختیاری پروٹوکول کے سامنے آنے کی صورت میں ہوئی۔ اقوام متحدہ نے دسمبر ۱۹۸۹ میں معاہدہ کا دوسرا اختیاری پروٹوکول اپنایا، جو جولائی ۱۹۹۱ میں نافذ ہوا، اس پروٹوکول کا مقصد سزائے موت کو تمام ممالک سے مکمل طور پر ختم کرنا تھا۔[۳۹] اس پروٹوکول کے مطابق موت کی سزا انسان کے عزت و وقار کے خلاف ایک سفاکانہ فعل سمجھا گیا، جس کے مقابلے میں زندگی کے حق کو حتمی قرار دیا گیا۔ اس پروٹوکول میں واضح طور پر کہا گیا ہے "موجودہ پروٹوکول کے کسی بھی ریاستی پارٹی کے حدود میں کسی کو بھی پھانسی نہیں دی جائے گی، ہر ریاستی پارٹی وہ تمام اقدامات کرے گی جو اس کے دائرہ اختیار میں سزائے موت کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہیں"۔[۴۰]

اقوام متحدہ کے کئی سارے رکن ممالک نے مذکورہ پروٹوکول کی توثیق کی اور اسے اپنایا جبکہ اکثر مسلم ممالک کے لیے مذکورہ معاہدہ اسلامی احکامات اور شریعت سے واضح طور پر متصادم ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہ تھا اور اسی بناپر اکثر اسلامی ممالک اس پروٹوکول کی توثیق نہ کرسکے۔[۴۱] اسلامی ممالک میں سے افریقی ملک ڈجبوتی نے سب سے پہلے ۲۰۰۲ میں سزائے موت ختم کرنے والے معاہدے کی توثیق کی، ترکی نے ۲۰۰۶ میں جبکہ کرغستان نے ۲۰۱۰ میں سزائے موت کو ختم کیا۔ ان تین اسلامی ملکوں کے علاوہ قزاقستان چوتھا اسلامی ملک ہے جس نے حال ہی میں ۲۰۲۲ میں اس پروٹوکول کی توثیق کرکے سزائے موت کو پنے قانونی نظام سے ختم کردیا۔[۴۲]

سزائے موت ختم کرنے کا یہ بین الاقوامی معاہدہ اسلامی احکامات سے واضح متصادم ہے اور اس معاہدے کی توثیق کی صورت میں پاکستان کو ملکی قوانین میں بھی اس معاہدے کے مطابق سزائے موت کو مکمل ختم کرنے کے لئے تبدیلیاں کرنی پڑتی، جبکہ پاکستان آئینی طور پر پابند ہے کہ ملک میں قرآن و سنت سے متصادم کوئی قانون سازی نہ کرے۔[۴۳] اسی لئے ان واضح آئینی و مذہبی بنیادوں پر پاکستان نے دوسرے اختیاری پروٹوکول کی توثیق نہیں کی۔ پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور پاکستانی معاشرے میں آئین پاکستان کی اسلامی شقوں کی ہمیشہ پذیرائی ہوئی ہے، تو ایسے میں آئین پاکستان کے علاوہ دیگر معاشرتی و مذہبی عناصر کی وجہ سے پاکستان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ بین الاقوامی سطح پر کسی ایسے معاہدے کا فریق بن جائے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ اگرچہ اسلامی احکامات میں سزائے موت کے بعض جرائم کی سزاوں پر عمل تقریباناممکن ہے لیکن اس کے باوجود بھی پاکستان کے فوجداری نظام سے ایسے قوانین کا خاتمہ اسلامی اصولوں سے انحراف تصور کیا جائے گا۔

---

[۳۸] یورپ نے ۱۹۸۳ میں یورپین معاہدہ برائے انسانی حقوق ۱۹۵۰ کا چھٹا پروٹوکول لاکر سزائے موت کو ختم کردیا۔ دیکھیئے: https://www.echr.coe.int/Documents/Library_Collection_P6_ETS114E_ENG.pdf [آخری بار دیکھا گیا: ۲۱ فروری ۲۰۲۳]۔

[۳۹] دیکھیئے: https://www.ohchr.org/en/instruments-mechanisms/instruments/second-optional-protocol-international-covenant-civil-and [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۰۲ جنوری ۲۰۲۳]۔

[۴۰] آرٹیکل ۱، دوسرا اختیاری پروٹوکول، بین الاقوامی میثاق برائے شہری اور سیاسی حقوق، ۱۹۸۹۔

[۴۱] دیکھیئے: https://treaties.un.org/pages/ViewDetails.aspx?src=TREATY&mtdsg_no=IV-12&chapter=4&clang=_en [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۱۱ جنوری ۲۰۲۳]۔

[۴۲] مزید تفصیلات کے لئے دیکھیئے: https://indicators.ohchr.org/ [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۲۷ فروری ۲۰۲۳]۔

[۴۳] دفعہ ۲۲۷، آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۹۷۳۔

بین الاقوامی انسانی حقوق کا قانون اور اسلامی قانون کے تصادم کو بہتر طور پر سمجھنے اور سزائے موت کو ختم کرنے کے فلسفے کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ جرائم اور سزاؤں کے اسلامی قانون کو مختصراً بیان کیا جائے۔

۳۔ اسلامی قانون میں جرم اور سزا کا تصور

اسلامی فوجداری قانون تمام جرائم کو مختلف قسم کے حقوق کی خلاف ورزی سے جوڑتا ہے۔ اسلامی قانون کے تحت، جرائم کی نوعیت مخصوص حق کی خلاف ورزی کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے جس کے نتیجے میں جرم کی سزا بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ بنیادی طور پر جمہور فقہا کے نزدیک اسلامی قانون تمام جرائم کی سزاؤں کو چار اقسام کے حقوق کی خلاف ورزیوں میں تقسیم کرتا ہے: (۱) اللہ تعالیٰ کا حق، (۲) اللہ تعالیٰ اور فرد کا مشترکہ حق، (۳) کسی فرد کا حق، (۴) ریاست یا معاشرے کا حق۔[۴۴] اسلامی قانون کی رو سے جس فعل کو بھی جرم قرار دیا جاتا ہے تو لازمی ہے کہ اس فعل سے ان چار حقوق میں سے کسی نہ کسی حق کی خلاف ورزی ہوئی ہو۔ اب ان حقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں جو جرائم ہوتے ہیں تو ان کی سزائیں بالترتیب حدود، قصاص، تعزیر، اور سیاسہ کہلاتی ہیں۔ اسلامی فوجداری قانون میں جرائم کو ان حقوق سے جوڑا گیا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں سزاؤں کو بھی انہی حقوق پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ان سزاؤں میں حدود سب سے سخت اور حتمی ہے۔ حدود کی تمام سزائیں بھی متعین ہے، جس میں کمی و زیادتی یا کسی ردوبدل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قصاص کسی فرد کے جسمانی زخم اور قتل سے متعلق سزا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اور بندے کا حق مشترک ہے اور بندے کو معاف کرنے یا بدل صلح لینے کا اختیار ہے، گویا کہ اس کی سزا میں تبدیلی ہو سکتی ہے لیکن یہ الگ بحث ہے کہ قتل کی صورت میں قصاص کی سزا چونکہ سزائے موت ہے تو اسے میت کے ورثا تو معاف کر سکتے ہیں[۴۵] لیکن ریاست کو پھر بھی معاف کرنے یا اس جرم پر سرے سے سزائے موت کو ختم کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔[۴۶] جبکہ تعزیری سزا قاضی یا جج کی صوابدید پر کسی بھی شخص کی حق تلفی یا قانون کی خلاف ورزی کی صورت دی جاتی ہے۔[۴۷] اور سیاسہ وہ جرائم ہیں جو معاشرے یا خالص ریاست کی حق تلفی کی وجہ سے دیئے جاتے ہیں، ان کی سزائیں ریاست کی صوابدید پر ہے جو کوئی بھی سزا دے سکتی ہے اور کسی موجودہ سزا کو منسوخ یا بڑھا بھی سکتی ہے، سیاسہ کی صورت میں ریاست سزائے موت کی سزائیں بھی دے سکتی ہیں۔ ان چار اقسام کے جرائم میں حد کی سزا سب سے سخت ہے جسے ریاست کا سربراہ بھی معاف نہیں کر سکتا۔ قصاص حد کی نسبت کم سخت سزا ہے کیونکہ مقتول کے ورثاء کو معافی اور صلح کا حق حاصل ہے۔ تعزیر اور سیاسہ کی سزائیں لچک دار ہیں کیونکہ اس میں مظلوم یا ریاست کو معافی یا صلح کا مکمل حق حاصل ہے۔[۴۸]

---

[۴۴] علاؤالدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، جز۹، ص ۲۴۸۔۲۵۰، مزید دیکھئے، برہان الدین ابی الحسن المرغینانی، **الهدایہ شرح بدایۃ المبتدی**، (بیروت: دارالاحیاءالتراث العربی) جز۲، ص۳۳۹۔

[۴۵] البقرۃ ۲:۱۷۸۔ مزید دیکھئے: مفتی تقی عثمانی، **آسان ترجمہ قرآن**، (مکتبہ معارف القرآن کراچی) ج۱، ص۱۱۸۔۱۱۹۔

[۴۶] اسے انسانی جان کی عظمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور فرد کا مشترکہ حق قرار دیا گیا ہے۔

[۴۷] کسی فرد کے حق کی خلاف ورزی کی صورت میں۔

[۴۸] علاؤالدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، جز۹، ص ۲۴۸۔۲۵۰، مزید دیکھئے، برہان الدین ابی الحسن المرغینانی، **الهدایہ شرح بدایۃ المبتدی**، جز۲، ص۳۳۹۔

یہ بات قابل غور ہے کہ کسی بھی جرم کی پاداش میں سزائے موت اس وقت تک نہیں دی جاسکتی جب تک ملزم کے خلاف تمام شواہد کے ذریعے جرم مکمل اور بغیر کسی شک و شبہ کے ثابت نہ ہو جائے۔ شبہ (قانونی کم علمی یا حقیقت کی غلط فہمی) کی صورت میں سزائے موت نہیں دی جا سکتی، حتیٰ کہ حد کی سزاؤں کو بھی شبہ کی وجہ سے معطل کرنا لازم ہے۔[49] یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلامی فوجداری قانون میں شبہ انگریزی قانون کے تصور "شک کا فائدہ" سے زیادہ عام اصطلاح ہے۔ انگریزی قانون میں شک کا فائدہ تب ہی ملزم کو دیا جاتا ہے جب وہ شک جج کے ذہن میں ہو اور جج کے سامنے جرم تمام شواہد اور ثبوتوں سے کسی شک کے بالاتر ثابت نہ ہو رہا ہو، جبکہ اسلامی قانون میں شک کا مفہوم اس سے کئی زیادہ وسیع ہے کہ جرم کرتے وقت اگر ملزم کے ذہن میں کوئی شک ہو تب بھی اسے اس جرم کی مروجہ سزا نہیں دی جاسکتی، مثلاً کسی شادی شدہ مرد نے کسی شک کی بنا پر رات کے اندھیرے میں کسی دوسری خاتون کو اپنی بیوی سمجھ کر اس سے جماع کر لیا، تو تمام فقہا کے نزدیک اس پر زنا کی حد نہیں لگائی جاسکتی یعنی اسے سزائے موت دے کر سنگسار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ ایسا شک ہے جس کے شبہ لازم آتا ہے اور شبہ کی موجودگی میں حد کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ یا ایسے ہی کسی جلاد نے یہ سوچ کر کسی کو قصاصاً قتل کر دیا کہ اسے تو قاضی یا عدالت کی جانب سے سزائے موت دی جاچکی ہے اور اس سزا پر عمل درآمد کا حکم آیا ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ قاتل نہیں بلکہ جیل میں موجود کوئی اور مجرم تھا۔ تو جان بوجھ کر قتل (قصاصاً) کرنے کے باوجود جلاد سے قصاص نہیں لیا جائے کیونکہ یہاں بھی غلطی اور شبہ پایا گیا ہے تو اس کو قتل عمد نہیں کہیں گے۔

لہٰذا اسلامی قانون کے اس وسیع مفہوم کی بنا پر ملزم کو دونوں صورتوں میں شک کا فائدہ ملتا ہے۔ ملزم کے ذہن میں موجود یہ غلط فہمی مروجہ قانونی نظام میں عذر نہیں تصور کی جاتی۔[50] اس غلط فہمی کے باوجود اگر جج کے سامنے کیس بغیر کسی شک کے ثابت ہو رہا ہو تو جج کو مروجہ سزا دینے کا پورا اختیار ہے۔ جبکہ اسلامی قانون میں یہ ایک عذر اور شبہ میں داخل ہے جس کے ہوتے ہوئے حد کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ شبہ کے بارے میں شریعت کا مشہور اصول ہے کہ: "شبہ کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتے ہیں"۔[51]

اس تمام بحث کے بعد یہ چیز واضح ہے کہ اسلامی فوجداری قانون میں قاضی یا جج کے لیے شریعت کے تحت سزائے موت دینا ایک انتہائی مشکل امر ہے، کیونکہ اسلام نے ہر انسانی جان اور انسانی عزت و آبرو کو مقاصد شریعت میں ڈال کر ان کی حفاظت کی ہے۔ اسی لئے اسلامی قانون کے تحت سزائے موت صرف ۴ جرائم پر دی جاسکتی ہے، جن میں سے تین کا تعلق حدود جرائم اور ایک کا قصاص کے جرم سے ہے کہ اگر کسی مجرم نے قصداً کوئی قتل کیا ہو، اور میت کے ورثا معاف کرنے یا بدل صلح لینے پر راضی نہ ہو تو اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔

سزائے موت کو بین الاقوامی انسانی حقوق کے تناظر میں دیکھنے کے بعد یہ ضروری ہے کہ سزائے موت کو اسلامی قانون اور پاکستانی قانون میں بھی وضاحت سے سمجھا جائے تاکہ تینوں جہتوں کی روشنی میں تفصیل سے سزائے موت کے خلاف پائے جانے والے فلسفے اور بین الاقوامی قانون کے اصولوں پر بات ہو سکے کہ مستقبل میں پاکستان کی کون سی پوزیشن ہو سکتی ہے اسی لئے ذیل میں اسلامی قانون کے تحت سزائے موت کے جرائم پر بحث کریں گے تاکہ پاکستان میں سزائے موت کے خاتمے کے امکان پر تجزیہ ممکن ہو سکے۔

---

[49] محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، **المبسوط**، (دار المعرفہ بیروت: ۱۹۹۳)، جز۹، ص ۳۸۔

[50] عمران احسن خان نیازی، General Principles of Criminal Law (اسلام آباد: ایڈوانس لیگل سٹڈیز اینسٹی ٹیوٹ ۱۹۹۸)، ص ۱۴۲۔۱۴۳۔

[51] محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، **المبسوط**، جز۹، ص ۳۸۔

۳.۱. حدود

حد کی جمع حدود ہے، اور حدود کے بارے میں اوپر تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے کہ یہ اسلامی فوجداری قانون کے مطابق سزا کی کون سی قسم ہے۔ اسلامی فوجداری قانون میں تین جرائم ایسے ہیں جن میں مجرم کو بطور حد سزائے موت دی جائے گی یعنی جرم ثابت ہونے کے بعد حد کی سزا میں کسی کمی و زیادتی کا اختیار ریاست سمیت کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ یہ تین جرائم درج ذیل ہیں۔

i) رجم: (زنا کے مجرم کو پتھر مار کر قتل کر دینا)۔

ii) حرابہ: (معاشرے میں تشدد یا ڈکیتی کے مجرم کو قتل کرنا)۔

iii) ارتداد (اسلام سے منحرف ہونے والے مرتد کو قتل کرنا)۔

ان تینوں صورتوں میں اسلامی قانون کے مطابق مجرموں کو سزائے موت بطور حد دی جاتی ہے۔ رجم ایک شادی شدہ شخص کو زنا پر دی جانے والی سزائے موت ہے جب اس کا جرم اقرار یا چار مرد گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے۔[۵۲] اسلامی قانون نے زنا پر رجم کی سزا کے لیے انتہائی سخت شرائط عائد کی ہیں جس کی وجہ سے اس سزا کا اطلاق تقریباً ناممکن ہے۔ اولاً، اس شخص کا شادی شدہ ہونا ضروری ہے؛ دوم یہ کہ چار مرد گواہوں کی گواہی لازمی ہے، جنہوں نے زنا کا حقیقی فعل یعنی دخول اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، مزید بر آں شبہ کی صورت میں بھی سزا معطل ہو جاتی ہے۔ مسلم فقہاء نے مختلف شبہات پر تفصیلی بحثیں کی ہے جو سزا کو معطل کرتی ہیں۔[۵۳] اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ الزام لگنے کے بعد اگر کوئی ایک گواہ بھی گواہی سے مکر گیا تو اس سے پہلے جس جس نے بھی گواہی دی ہو گی ان سب پر جھوٹی گواہی کا اطلاق ہو گا اور کسی مسلمان پر زنا کے جھوٹے بہتان کی وجہ سے ان پر حد قذف لگے گی۔[۵۴] گویا اسلام اس بات کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کہ زنا کی گواہی کے لئے عدالت آیا جائے کیونکہ اسے پتہ ہو گا کہ میرے گواہی دینے کے بعد اگر میرے بعد کا کوئی بھی گواہ مکر گیا تو مجھے ہی حد قذف لگے گی، تو ایسے میں کوئی بھی عقلمند شخص زنا کی گواہی دینے قاضی کے پاس آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ انگریزی قانون کے برخلاف اسلامی قانون میں گواہ کے لئے اہلیت کا معیار بھی انتہائی سخت ہے۔ مزید یہ کہ جیسا اوپر ذکر ہوا کہ اسلام غیر معمولی طور پر گواہ کو حدود کے جرائم میں گواہی نہ دینے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کے سبب حد کی سزا ہے اور وہ غفور و رحیم ہے۔ اہل مغرب کا رجم کو وحشیانہ سزا کہہ کر اس پر اعتراض کرنا اپنی جگہ ہے، لیکن ہم مسلمان بھی ان کو یہ مکمل بحث سمجھانے میں ناکام ہیں کہ اس سزا میں اتنے سخت شرائط ہیں کہ پوری اسلامی تاریخ میں اب تک کوئی ایک مجرم بھی گواہی کی بنیاد پر زنا کے جرم میں سزائے موت سنا کر رجم نہیں کیا گیا۔[۵۵]

اسلامی قانون میں حرابہ بھی حد کا جرم ہے اور اس پر حد کی سزا ملتی ہے جس میں کمی و زیادتی کا اختیار ریاست کے پاس بھی نہیں ہے۔ حرابہ سے مراد وہ افعال ہیں جس میں معاشرے میں تشدد، خوف اور بدامنی پھیلانے جیسے سنگین جرائم شامل ہیں۔ اس بات پر مفسرین اور فقہا کا اتفاق ہے کہ سورت مائدۃ کی آیت حرابہ سے مراد ڈاکو ہیں جو علاقے میں خوف اور فساد پھیلاتے ہیں۔ اگر ڈاکوؤں نے مال لوٹتے وقت کسی کو قتل کیا ہو اور جرم

---

[۵۲] عبد الغنی بن طالب بن حمادہ بن ابراھیم الدمشقی الحنفی، **اللباب فی شرح الکتاب**، (المکتبہ العلمیہ بیروت)، جز۳، ص ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱۔

[۵۳] مزید تفصیلات کے لئے دیکھیں: ابو زہرہ، الجریمہ والعقوبہ فی الاسلام۔

[۵۴] عبد الغنی، **اللباب فی شرح الکتاب**، جز۳، ص ۱۸۶۔

[۵۵] ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی، **ردالمختار علی الرد المختار**، (بیروت: دار الفکر ۱۹۹۲)، ج ۴، ص ۳۱۔

ثابت ہو جائے تو انہیں بطور حد قتل کر دیا جائے گا بطور قصاص نہیں۔ اس صورت میں اگر مقتول کے ورثا معاف کر دیں یا دیت لیں تب بھی ڈاکوؤں کو سزا ملے گی کیونکہ حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے کوئی بھی معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔[۵۶] لیکن اسلام کے فوجداری قانون میں حرابہ کے مجرم کے لئے صرف سزائے موت کی سزا نہیں ہے بلکہ حرابہ کے لئے چار سزاؤں کا ذکر ہے جن میں قتل کرنا، سولی پر چڑھانا، دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹنا اور قید یا جلاوطن کرنا شامل ہیں۔[۵۷]

اسلام کے فوجداری قانون میں ارتداد تیسرا ایسا جرم ہے جس پر سزائے موت بطور حد دی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد کسی دوسرے مذہب کو قبول کرے یا ملحد ہو جائے گا، تو راجح قول کے مطابق اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی تاکہ اسلام کے بارے میں اس کی غلط فہمی اور شکوک وشبہات کو دور کیا جائے اور اس کے بعد بھی اگر وہ دائرہ اسلام میں واپس نہ آئے تو اسے موت کی سزا دے کر قتل کیا جائے گا۔[۵۸] تاہم، یہ قانون صرف مرد مرتد پر لاگو ہوتا ہے، اگر کوئی عورت ارتداد کا ارتکاب کرتی ہے تو اسے سزائے موت نہیں دی جائے گی۔[۵۹] واضح رہے کہ ارتداد کی یہ سزا پاکستانی قانونی نظام میں شامل نہیں ہے۔

۳.۲　　قصاص

اسلامی قانون میں سزائے موت بطور قصاص بھی دی جاسکتی ہے جب کوئی مجرم جان بوجھ کر قتل (قتل عمد) کے جرم میں ملوث پایا جائے۔ اسلامی قانون کے تحت قتل عمد وہ قتل ہے جس میں کسی شخص کی جان دانستہ طور پر کسی ایسے ہتھیار کے استعمال سے چھین لی جائے جو عام طور پر قتل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسے کہ بندوق اور تلوار، یا پھر قتل کرنے کے لئے کسی ایسی چیز کا استعمال کیا جائے جو عام طور پر بطور ہتھیار تو استعمال نہ ہوتا ہو لیکن اس سے انسانی جان جاسکتی ہو، جیسے جان بوجھ کر کوئی بڑا پتھر سر پر مار دینا جس سے کسی انسان کی موت واقع ہو جائے تو یہ بھی قتل عمد میں شمار ہوگا۔[۶۰] اسلامی فوجداری قانون میں قتل کی کل پانچ اقسام ذکر کی گئی ہے اور قتل کی ان پانچ اقسام میں سے صرف قتل عمد ہی ایسا جرم ہے جس پر قصاصا مجرم کو قتل کر دیا جائے گا اور یہ جرم قابل سزائے موت ہے۔[۶۱] اس پر مستزاد یہ کہ اس سزا کو لاگو کرنے کے لیے جرم کو کسی بھی معقول شک سے بالاتر، دو اہل مرد چشم دید گواہوں کی شہادت سے ثابت کرنا ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر شبہہ یہاں بھی سزا کو معطل کر دیتا ہے۔ قصاص اسلامی قانون کے تحت ایک قابل صلح جرم ہے۔ لہٰذا، مقتول کے ورثا معاف کرنے یا سزا کم کرنے کا حق رکھتے ہیں،[۶۲] کہ اگر ایک بھی وارث نے معاف کر دیا تو اس مجرم کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔ جس کے نتیجے میں قصاصا موت کی سزا معطل ہو سکتی ہے۔[۶۳]

---

[۵۶] مفتی تقی عثمانی، **آسان ترجمہ قرآن**، ج۱، ص ۳۴۰-۳۴۱۔

[۵۷] المائدۃ ۵:۳۳۔

[۵۸] محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری، صحیح البخاری، باب حکم المرتد والمرتدہ واستتابتھم، حدیث نمبر ۶۹۲۲، (دار طوق النجاۃ ۱۴۲۲ھ)۔

[۵۹] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، ج۷، ص ۱۳۵۔

[۶۰] ابن عابدین، **رد المحتار علی الدر المختار**، ج۶، ص ۵۲۷-۵۳۱۔

[۶۱] المرغینانی، **الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی**، ج۴، ص ۴۴۲-۴۴۴۔

[۶۲] البقرۃ ۲:۱۷۸۔

[۶۳] کیونکہ قصاص نفس کے بدلے نفس کا نام ہے، جب قاتل کا کچھ حصہ معاف ہو گیا تو باقی ورثا اسے قصاصا کیسے پورا مار سکتے ہیں۔

۳.۳ تعزیر

تعزیزی سزامیں قاضی یا عدالت کو ہی مکمل اختیار ہوتا ہے کہ مجرم کو جو سزا مناسب سمجھے وہ دے دیں، اور اسی اختیار کو مروجہ قانون میں Discretion of the Court کہا گیا ہے کہ اس بات کا اختیار متعلقہ جج کو ہے کہ وہ قانون کے اندر رہتے ہوئے ملزم کو کونسی سزا دیتا ہے۔ اسلامی قانون کے اندر ریاست اور جج دونوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی فعل کو جرم قرار دے کر اس پر مناسب سزا مقرر کریں۔ البتہ اس بات پر فقہاِ کرام کے نزدیک اختلاف پایا جاتا ہے کہ اسلامی ریاست کسی مجرم کو سزائے موت بطور تعزیر دے سکتی ہے یا نہیں، اس بارے میں جمہور فقہا کا مسلک یہ ہے کہ ریاست تعزیری سزاؤں میں سزائے موت سمیت کوئی بھی سزا دے سکتی ہے۔ تعزیری سزائیں چونکہ شریعت کی طرف سے متعین نہیں ہیں تو اسی وجہ سے پاکستان اگر کسی بین الاقوامی معاہدے کا حصہ بن کر تعزیری طور پر دی جانے والی سزائے موت کے قوانین کو اپنے قانونی نظام سے ختم کرتا ہے تو یہ بات شریعت کے منافی شمار نہیں ہوگی۔

۳.۴ سیاسہ

سیاسہ بھی اسلامی قانون میں سزا کی وہ قسم ہے جو تعزیر کی طرح غیر متعین ہے۔ یہ دونوں سزائیں فرد یا ریاست کے حقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں دی جاتی ہیں اور سیاسہ میں کسی بھی جرم پر مجرم کو سزائے موت سمیت کوئی بھی سزا دینے کا مکمل اختیار ریاست کے پاس ہوتا ہے۔[۶۴] اسی وجہ سے پاکستان نے آئین کو توڑنے، مسخ کرنے یا معطل کرنے پر سزائے موت کا قانون اپنایا ہے[۶۵] اور اس قانون کو کبھی بھی اسلامی قانون سے متصادم ہونے کی بناپر وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج نہیں کیا گیا۔[۶۶] اسلامی قانون کے تحت ریاست ان جرائم کو بھی معاف کر سکتی ہے اور اگر مناسب سمجھے تو سزا کی نوعیت بھی تبدیل کر سکتی ہے کہ سزا کو کم یا زیادہ کر دے۔ لہٰذا اس قسم کے جرائم میں سزائے موت کو مکمل طور پر ختم کیا جاسکتا ہے اور اسے بین الاقوامی قوانین برائے حقوق انسانی کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سزائے موت کا تعلق اسلامی قانون کے تحت جرائم کی نوعیت سے بھی ہے، پھر شبہ کے تصور سے، اور نتیجتاً گواہوں کے معیار اور گواہی کے اعلیٰ درجے کے بعد اسلامی قانون میں سزائے موت کی قابل ذکر تعداد نہیں بچتی۔ اگر ایک گواہ بھی غیر حاضر ہو یا قابل اعتماد نہ ہو یا ایماندار نہ ہو تو ملزم کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔ لہٰذا جو بھی عنصر جرم کے دانستہ سرزد ہونے میں قانون کی غلطی (شک) پیدا کرتا ہے، تو حد کی سزا معاف کر دی جاتی ہے۔ اسلام میں ایسی سخت شرائط انسانی زندگی کے وقار اور اہمیت کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ یہ مکمل بحث اس بات کا مظہر ہے کہ شریعت مطہرہ میں عام انسانوں کے علاوہ ریاست اور عدالت کے لئے بھی انسانی جان لینا کوئی آسان معاملہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام کا عمومی اصول یہ ہے کہ کسی کی جان نہ لی جائے اور انسانی جان کے تحفظ کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی جائے۔ لیکن عام اصول میں کچھ مستثنیات ہیں، جیسا کہ اسلامی فوجداری قانون میں صرف یہ چار مستثنیات ہیں جن کے تحت موت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ اور یہ مستثنیات عملی طور پر سخت شرائط کے باعث مزید محدود ہیں۔

---

[۶۴] ابن عابدین، **ردالمختار علی الرد المختار**، ج ۴، ص ۲۱۵۔

[۶۵] آرٹیکل ۶، آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۹۷۳۔ اور سیکشن ۲، سنگین غداری [سزا] ایکٹ، ۱۹۷۳۔

[۶۶] دیکھئیے مرجع نمبر ۱۳۔

مذکورہ بالا بحث میں پتہ چلا کہ اسلامی قانون کے تحت سزائے موت صرف درج ذیل جرائم میں ہی دی جاسکتی ہے۔: اولا، زنا، اس کے جرم میں سزائے موت دینا عملی طور طور ممکن نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان سمیت مکمل اسلامی تاریخ میں آج تک کسی کو زنا پر سزائے موت نہیں دی گئی۔ کیونکہ یہ عملی طور پر ممکن ہے نہ ہی یہ سزا قانون سے ختم کی جاسکتی ہے۔ ثانیا، حرابہ، اس جرم میں حد کے طور پر جو چار سزائیں ہیں ان میں صرف دو سزائیں موت کی ہیں، باقی دو موت کے علاوہ ہیں۔ ثالثا، ارتداد ہے جو کہ پاکستانی قانون میں موجود ہی نہیں ہے۔ رابعا، سزائے موت بطور قصاص دینا، جسے قانون سازی کے ذریعے تو ختم نہیں کیا جاسکتا تاہم مقتول کے ورثا کی طرف سے معافی اور سمجھوتہ کے امکانات ہوتے ہیں۔[67] بطور تعزیر سزائے موت دینا شریعت کے اندر کسی جرم کے لیے متعین نہیں ہے لیکن یہ جج کی صوابدید پر ہے اور فقہا کے تعزیر میں سزائے موت دینے کی اجازت دی ہے۔[68] سیاسہ کے طور پر سزائے موت دینا بھی تعزیر کی طرح کسی جرم کے لیے متعین نہیں ہے اور حکمران یا ریاست کے خلاف جرائم میں ملوث مجرموں کو سزائے موت دی جاسکتی ہے۔ ان سزاوں پر موجود سخت شرائط کی تکمیل کے بغیر سزائے موت پر عمل درآمد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی شبہ (قانون کی غلطی) ہو یا ثبوت یا گواہوں کی کمی ہو یا کوئی اور شرط ہو تو ملزم کو پھانسی نہیں دی جاسکتی۔

۴۔ پاکستانی قانونی نظام میں سزائے موت

پاکستان کا عدالتی نظام کسی ایک مخصوص قانونی نظام کو بنیاد بنا کر اس کی پیروی نہیں کرتا۔ بنیادی طور پر پاکستان کے عدالتی نظام کا ڈھانچہ برطانوی نظام کا ہے جسے قانونی اصطلاح میں Common Law کہا جاتا ہے، جس میں اعلیٰ عدالتوں کے گذشتہ فیصلے بھی عدالتی نظائر بن کر قانون بن جاتے ہیں۔ لیکن پاکستان کا قانونی نظام اس حوالے سے کامن لآ سے مختلف ہے کہ پاکستان نے بہت سارے اسلامی قوانین بھی اپنے نظام کا حصہ بنائے ہیں۔ کامن لاٗ کے مختلف عدالتی مراتب سے ہٹ کر ایک عدالت وفاقی شرعی عدالت کے نام سے بھی بنائی ہے جو اکثر قوانین کو شریعت کے اصولوں پر جانچنے کا کام کرتی ہے۔

جیسا کہ شروع میں ذکر ہوا کہ پاکستان کے فوجداری قانون میں سزائے موت والے جرائم کی کل تعداد تینتیس ہیں۔ ان تمام جرائم میں توہین رسالت مآب ﷺ،[69] حرابہ[70] اور زنا[71] کے جرائم پر بطور حد جبکہ قتل عمد کی صورت میں بطور قصاص یا پھر بطور تعزیر سزائے موت موجود ہے۔ زنا کے ثبوتوں کا معیار چونکہ انتہائی سخت ہے اس لئے اس جرم پر اب تک کوئی سزا نہیں دی جاسکی ہے البتہ ریپ پر حرابہ یا سیاسہ کے تحت سزائے موت دی جاتی ہے۔ توہین رسالت مآب ﷺ کے قانون پر سزائے موت بطور سیاسہ تو دی جاسکتی ہے البتہ بطور حد دینے سے کئی طرح کے اشکالات سامنے

---

[67] البقرۃ ۲:۱۷۸۔

[68] وزارت الأوقاف والشئون الاسلامیہ کویت، **الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ** (دار السلاسل کویت ۱۴۲۷ھ)، ج ۱۲، ص ۲۶۳۔

[69] دفعہ ۲۹۵ سی، مجموعہ تعزیرات پاکستان۔

[70] دفعہ (۴)۱۷، جائیداد کے خلاف جرائم (حدود کا نفاذ) آرڈیننس ۱۹۷۹۔ ڈکیتی میں اگر قتل شامل ہو تو وہ بھی حرابہ کا جرم ہے، دیکھیے: دفعہ ۳۹۶، مجموعہ تعزیرات پاکستان۔

[71] دفعہ ۵، زنا آرڈیننس ۱۹۷۹۔

آتے ہیں اور اسلامی فوجداری قانون کے تحت حد کے لئے درکار گواہی کا معیار پورا کرنا بھی ایک مشکل امر ہے۔[42] اسلامی فوجداری نظام سے اخذ کردہ جرائم میں سے قتل عمد وہ جرم ہیں جس میں سب سے زیادہ سزائے موت دی جاتی ہے لیکن واضح رہے کہ پاکستانی قانونی نظام میں قتل عمد کے مجرم کو اکثر اوقات سزائے موت بطور قصاص نہیں بلکہ بطور تعزیر دی جاتی ہے۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان میں قتل عمد کی درج ذیل تعریف لکھی گئی ہے۔

جو کوئی کسی شخص کو ہلاک کرنے کی غرض سے یا جسمانی ضرر پہنچانے کی نیت سے کوئی ایسا فعل کرے جس سے عام حالات میں موت واقع ہو سکتی ہو، یا اس علم کے ساتھ کہ اس کا فعل واضح طور پر اتنا خطرناک ہے کہ اس سے گمان غالب ہے کہ موت واقع ہو جائے گی۔ اگر یہ فعل اس شخص کی موت کا باعث بنے تو یہ قتل عمد کا مرتکب کہلائے گا۔[43]

مجموعہ تعزیرات پاکستان میں قتل عمد کی تعریف تو وہی ہے جو فقہا نے تراث میں درج کی ہے لیکن پاکستانی قانون میں قتل عمد کی سزا فقہ اسلامی کے برعکس صرف اور صرف قصاص نہیں ہے بلکہ اس جرم پر سزائے موت کو قصاص اور تعزیز میں تقسیم کیا ہے۔ نتیجہ کے اعتبار سے اگرچہ دونوں صورتوں میں قاتل کی جان لی جاتی ہے لیکن اسلامی فوجداری قانون میں نتیجہ کے علاوہ پورا عدالتی نظام بھی زیر بحث ہوتا ہے اسی لئے فقہائے کرام نے قصاص لینے کے طریقوں کو بھی زیر بحث لایا ہے کہ قصاص صرف تلوار سے مشروع ہے یا قصاص کے لئے کوئی اور طریقہ بھی اپنایا جاسکتا ہے۔

مجموعہ تعزیرات پاکستان کے اندر قتل عمد ثابت ہونے پر عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ سزائے موت بطور قصاص[44] دے یا بطور تعزیر۔[45] جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے اسلامی فوجداری قانون میں کسی انسان کی جان لینا عدالت کے لئے بھی آسان کام نہیں ہے تو اسی بنیاد پر ہمارے ہاں کے برطانوی طرز کے عدالتی نظام میں ثبوتوں کا وہ اعلیٰ معیار نہیں پایا جاتا جو شریعت میں قصاص کے لئے درکار ہے۔ اسی لئے عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر قصاص کے لئے شریعت کا متعین کردہ پیمانہ پورا نہ ہو رہا ہو، لیکن قتل عمد کا جرم ثابت ہو جائے تو تب بھی عدالت سزائے موت بطور تعزیر دے سکتی ہے۔[46]

---

[42] مزید تفصیلات کے لئے دیکھئیے: محمد صادق کاکڑ، Dissecting the Asia Bibi Case: A Critical Analysis of Blasphemy Law in Pakistan، مانچسٹر جرنل آف ٹرانزنیشنل اسلامک لاء اینڈ پریکٹس، جلد ۱۸، نمبر ۱ (۲۰۲۲)، [آن لائن]: https://papers.ssrn.com/sol۳/papers.cfm?abstract_id=۴۳۲۵۴۳۹ [آخری مرتبہ دیکھا گیا: ۲۵ فروری ۲۰۲۳]۔

[43] دفعہ ۳۰۰ اور ۳۰۱، مجموعہ تعزیرات پاکستان۔

[44] دفعہ ۳۰۲ (الف)، مجموعہ تعزیرات پاکستان۔

[45] دفعہ ۳۰۲ (ب)، مجموعہ تعزیرات پاکستان۔

[46] دفعہ ۳۰۲ (ب) اور دفعہ ۳۰۴، مجموعہ تعزیرات پاکستان۔

اسلامی قوانین سے ماخوذ درج بالا جرائم اور سزاؤں کے علاوہ مقننہ کی جانب سے قرار دیئے گئے سزائے موت کے دیگر جرائم ان قوانین میں درج ہیں: مجموعہ تعزیرات پاکستان ۱۸۶۰،[۷۷] پاکستان آرمی ایکٹ ۱۹۵۲،[۷۸] پاکستان ائیر فورس ایکٹ ۱۹۵۳،[۷۹] پاکستان نیوی آرڈیننس ۱۹۶۱،[۸۰] سنگین غداری ایکٹ ۱۹۷۳،[۸۱] ریلوے ایکٹ ۱۸۹۰،[۸۲] کنٹرول آف نارکوٹکس سبسٹنس ایکٹ ۱۹۹۷،[۸۳] انسداد دہشت گردی ایکٹ ۱۹۷۹،[۸۴] اور الیکٹرانک جرائم کی روک تھام ۲۰۰۷[۸۵] کا ایکٹ شامل ہیں۔ اگر سزائے موت رکھنے والے پاکستانی قوانین کو شرعی اعتبار سے تقسیم کیا جائے، تو ان تمام قوانین کو حدود، قصاص، تعزیر اور سیاسہ کی تقسیم پر دیکھنا ہو گا تا کہ کسی بھی بین الاقوامی معاہدے کا رفیق بننے کی صورت میں شریعت کی مخالفت سے بچا جا سکیں۔ پاکستانی کے قانونی نظام کے اندر رہتے ہوئے ان جرائم کو سنگینی کے اعتبار سے تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: حدود، قصاص اور تیسری قسم ان دونوں کے علاوہ ان جرائم کی ہو گی جن کا تعلق اسلامی احکام سے تو نہیں ہے لیکن ان پر مقننہ کی طرف سزائے موت لاگو کیا گیا ہے۔ اس تیسری قسم کو بھی سنگین جرائم اور کم نوعیت کے جرائم میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سزائے موت کے قوانین کی اس تقسیم کے بعد یہ بات تو واضح ہے کہ پاکستان حدود و قصاص کے قوانین سے دستبردار نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ واجب من جانب اللہ ہیں۔ لیکن وہ قوانین جو ان دونوں کے علاوہ ہیں یا جن میں فقہا کا اختلاف پایا جاتا ہے ان کو بین الاقوامی انسانی حقوق کے عالمی معاہدات کی دستاویزات سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے اور ایسا شریعت کی رو سے قطعاً ممنوع نہیں ہے۔

۵. ۵۔ سزائے موت کو ختم کیے جانے کے قابل قوانین

تمام مذاہب اور قانونی نظام اس بات پر متفق ہے کہ ہر مجرم کو قانون شکنی کی سزا ملنی چاہیے تا کہ افراد اور معاشرے کو برے لوگوں سے بچایا جا سکیں۔ لیکن یہ فلسفہ ہمیشہ سے قابل اعتراض رہا ہے کہ مجرموں کو اس لئے بھی سزائے موت و دیگر سزائیں دی جاتی ہیں تا کہ معاشرے میں دیگر لوگوں کو بھی جرم کرنے سے روکا جا سکے اور ان کے دل میں سزا کا خوف بیٹھ جائیں، اور جرائم کی روک تھام ممکن ہو سکیں۔ جدید دور میں اس دعوی کے حق میں کوئی ریسرچ یا ڈیٹا موجود نہیں ہے جو اس بات کی تصدیق کرے کہ سزائے موت دینے سے سزائے موت والے جرائم کی شرح میں کمی واقع ہوتی ہے بلکہ سزائے موت دینے والے ممالک میں ان بڑے جرائم کی شرح کئی گناہ زیادہ ہے۔[۸۶] دوسری طرف علما اور اسلامی قانون کے

---

[۷۷] دفعات ۱۹۴، ۱۳۲، ۱۲۱، ۳۵۴اے، ۳۶۴اے، ۳۶۵اے، ۳۶۷اے، ۳۷۶، ۴۰۲، ۳۷۶بی اور ۴۰۲سی۔

[۷۸] دفعہ ۲۴، ۲۶ اور ۳۱۔

[۷۹] دفعہ ۳۴ اور ۳۷۔

[۸۰] دفعہ ۲۹، ۳۶، ۳۲، ۳۱، ۳۰ اور ۳۷۔

[۸۱] دفعہ ۲۔

[۸۲] دفعہ ۱۲۷۔

[۸۳] دفعہ ۹سی۔

[۸۴] دفعہ ۷۔

[۸۵] دفعہ ۱۷۔

[۸۶] کارولین راووڈ، سٹیفان ٹریچیل، ‘The Death Penalty and the Case–law of the Institutions of the European Convention on Human Rights’, in Council of Europe یورپ میں سزائے موت کا خاتمہ، (کاونسل آف یورپ فرانس ۱۹۹۹)، ص ۸۱۔

ماہرین قرآن کریم کی آیت کی بنیاد پر قصاص کے طور پر سزائے موت دینے کی وجہ سے قتل کے جرم کی روک تھام کا دعوی کرتے ہیں،[۸۷] لیکن پاکستان کے سامنے جرائم کی روک تھام سے زیادہ اہم خود نفس سزا کا شرعی حکم اور آئینی ذمہ داری ہے کہ اسلامی فوجداری قانون کے خلاف ملک میں کوئی بھی قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ پاکستان شہری اور سیاسی حقوق پر بین الاقوامی معاہدے [ICCPR-۱۹۶۶] کا "دوسرا اختیاری پروٹوکول، جس کا مقصد سزائے موت کو ختم کرنا ہے" کی موجودہ صورت میں توثیق نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ معاہدہ سزائے موت کو مکمل ختم کا مطالبہ کرتا ہے اور پاکستان آئینی حدود کی پابندی اور شریعت کی مخالفت کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا۔ آئینی و قانونی اعتبار سے پابندی کے علاوہ بھی پاکستان کے اندرونی حالات کو دیکھتے ہوئے اس معاہدے کا فریق بننا ناممکن ہے کیونکہ پاکستانی کی ۹۶ء۵ فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے[۸۸] اور آبادی کا ایک بڑا حصہ اسلامی تعلیمات کی وجہ سے سزائے موت کے حق میں ہے۔ اس لئے اگر شریعت کی مخالفت کئے بغیر پاکستان کسی ایسے معاہدے کا فریق بنتا ہے جس سے انسانی حقوق کا تحفظ اور زندہ رہنے یا جینے کے حق کی حفاظت ہوتی ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔

پاکستانی قانونی نظام میں ان سزاؤں کو ختم کرنے کا اختیار مقننہ کے پاس بھی نہیں ہے جو سزائیں شرعی اصولوں پر مقرر ہوئی ہیں، جن جرائم پر سزائے موت شریعت میں ثابت ہے تو ان جرائم سے سزائے موت کو کسی صورت ختم نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستان میں اس وقت کل تینتیس جرائم پر سزائے موت دی جاتی ہے جن میں سے صرف چار جرائم ایسے ہیں جن کی بنیاد شریعت مطہرہ ہے، باقی انتیس جرائم پر یا تو صرف مقننہ کے اختیار سے سزائے موت کو مقرر کیا گیا ہے یا ان جرائم پر سزائے موت دینے یا نہ دینے میں فقہا کا آپس میں اختلاف ہے۔ پاکستانی فوجداری نظام میں زنا، قتل عمد، توہین رسالت، اور حرابہ (معاشرے میں تشدد) ایسے جرائم ہیں جن کا ماخذ شریعت مطہرہ گردانا جاتا ہے۔ اگرچہ اسلامی قانون میں ان میں سے بھی بعض جرائم کے لئے سزائے موت کے علاوہ دیگر سزائیں بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ زنا کے جرم پر شادی شدہ کے لئے رجم کی سزا تو موجود ہے لیکن چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں کبھی بھی کسی ملزم کو گواہوں کے ذریعہ رجم نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ شریعت نے زنا کے ثبوت کے لئے گواہی کا جو معیار رکھا ہے وہ اتنا سخت ہے کہ عملی طور پر ممکن نظر نہیں آتا۔ حضور پاک ﷺ کے زمانے میں رجم کے واقعات ثابت ہیں لیکن وہ سزائیں گواہوں کے گواہی کی وجہ سے نہیں بلکہ ذاتی اقرار کی بنیاد پر دی گئی تھی۔ قتل عمد میں معافی اور سمجھوتہ کا راستہ کھلا ہے جبکہ توہین رسالت ﷺ کے جرم میں فقہائے احناف کے نزدیک غیر مسلم گستاخ کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔ مزید برآں حرابہ کے جرم میں جیسے پہلے بیان ہوا کہ چار سزائیں دی جاسکتی ہیں جن میں سے دو سزائیں موت کی ہیں۔

پاکستانی فوجداری قانون میں یہ چار سزائے موت کے جرائم ہیں جن پر شریعت کے تحت بھی لازمی نہیں کہ ہر مجرم کو یہی سزا دی جائے، ان جرائم میں سزائے موت کے تعطل کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً شبہ کا آنا یا گواہان کی عدم موجودگی۔ شریعت مطہرہ کے فوجداری نظام میں سزائے موت کے جرائم اس نوعیت کے ہیں کہ جرم ثابت کرنا اور ان پر سزائے موت دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، کیونکہ مقاصد شریعہ میں "حفظ النفس" کا اطلاق بنیادی طور پر تمام انسانوں پر ہوتا ہے اور اگر کسی انسان کی جان لینا شریعت میں جائز بھی ہے تو اسے سخت ترین شرائط کے

---

[۸۷] البقرۃ ۲:۱۷۹۔

[۸۸] دیکھیئے: https://worldpopulationreview.com/country-rankings/muslim-population-by-country [آخری بار دیکھا گیا: ۲۰ فروری ۲۰۲۳]۔

بغیر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ چونکہ بقیہ تمام انتیس سزائے موت کے جرائم کا تعلق شریعت سے نہیں ہے تو انہیں بغیر کسی مزاحمت کی توقع کے پاکستانی قانونی نظام سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

بین الاقوامی قانون کے مطابق کسی بھی معاہدے کا فریق بنتے وقت اس معاہدے کے کسی خاص شق پر تحفظات (ریزرویشن) رکھی جاسکتی ہے لیکن جہاں ریزرویشن معاہدے کی روح کے خلاف ہو تو وہاں پر ریزرویشن رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے پاکستان ویانا کنونشن کے معاہدے کے مطابق اس پروٹوکول کو اپنانے میں کوئی تحفظات نہیں رکھ سکتا جس کے ذریعے پاکستان چند جرائم میں سزائے موت کو برقرار رکھ سکیں۔[۸۹]

۶۔ خلاصہ وسفارشات

بین الاقوامی انسانی حقوق کے قوانین و معاہدات سمیت وہ قوتیں جو دنیا سے سزائے موت کے خاتمے کے لئے کوشاں ہیں، وہ زندہ رہنے اور جینے کے حق کو مطلق اور حتمی مان کر دیگر تمام انسانی حقوق پر فوقیت دیتے ہیں، جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ بنیادی طور پر اسلامی قانون اور بین الاقوامی انسانی حقوق دونوں ہی زندگی کے تحفظ اور انصاف کی فراہمی کو بہت اہم سمجھتی ہیں، لیکن جس اختلاف کے باعث تنازع پیدا ہوتا ہے وہ انفرادی اور اجتماعی مفادات کے بیچ ترجیحات کا فرق ہے۔ اسلامی قانون اجتماعی زندگی کو فوقیت کی وجہ سے انفرادی طور پر زندہ رہنے اور جینے کے حق کو اتنا لازمی نہیں سمجھتا کہ قتل کے مجرم سے بھی یہ حق نہ لیا جا سکے، تاکہ ان جرائم پر سزائے موت کی موجودگی میں امن و امان کو برقرار رکھا جائے۔ جبکہ بین الاقوامی انسانی حقوق میں انفرادی حق کو ہی اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ ہر حال میں اس کی حفاظت لازمی ہے۔ لہٰذا پھانسی کے سلسلے میں، قاتل یا غیر قاتل اور دہشت گرد یا غیر دہشت گرد سے قطع نظر، ہمیں معاشرے میں امن اور بھلائی پر توجہ دیتے ہوئے پھانسی کو متعدد جرائم میں بحال رکھنے سے زیادہ معاشرے میں جرائم کے اسباب کا تدارک کرنا چاہیے۔

جیسا کہ اوپر یہ بات ذکر ہوئی کہ پاکستان آئی سی سی پی آر کے دوسرے اختیاری پروٹوکول کی توثیق کسی بھی صورت نہیں کر سکتا، کیونکہ مذکورہ پروٹوکول حدود اور قصاص سمیت تمام جرائم میں ہی سزائے موت کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، اسلامی قانون کے تحت کچھ سزائیں حقوق اللہ کے دائرے میں آتی ہیں اور کسی کو بھی ان میں ردوبدل کا اختیار نہیں ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ پروٹوکول اجباری نہیں بلکہ ۱۹۶۶ میں ہونے والے شہری و سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے کا ایک اختیاری پروٹوکول ہے تو اس صورت میں پچھلے معاہدے کا فریق ہونے کے باوجود پاکستان کے لئے یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ اس معاہدے کی بھی توثیق کر دے۔ اس معاہدے کی توثیق لازمی نہ ہونے کے باوجود پاکستان پر بین الاقوامی قوانین کے تحت یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سزائے موت کو صرف سنگین جرائم تک ہی محدود کریں۔ اس ضمن میں پاکستان اگر ملکی قوانین میں ترامیم کے ذریعے ایسا کرتا ہے تو یہ بین الاقوامی انسانی حقوق سے مطابقت کے لئے ایک اہم اور قابل ذکر قدم ہوگا۔ چنانچہ بین الاقوامی سطح پر سزائے موت کو جرائم کی اقسام میں تقسیم کرتے ہوئے اسلام اور شریعت کے مطابق ایک نیا پروٹوکول اپنایا جائے جس کی مسلم ممالک بالخصوص پاکستان توثیق کر سکیں اور سزائے موت کے اطلاق کو کم سے کم کرنے کی کوشش کر سکیں۔ اقوام متحدہ کی جانب سے بین الاقوامی معاہدے کے بعد تمام مسلمان ممالک ۱۹۹۰ کے قاہرہ ڈیکلیریشن کے طرز پر سزائے موت کے حوالے سے بھی ایک نیا معاہدہ سامنے لائیں تاکہ

---

[۸۹] ۱۹۶۹ کے معاہدوں کے قانون سے متعلق ویانا کنونشن کے آرٹیکل (C)۱۹ کے مطابق، اگر تحفظات معاہدے کے مقصد سے مطابقت نہیں رکھتی تو کوئی ریاست تحفظات نہیں رکھ سکتی۔ آئی سی سی پی آر کے دوسرے اختیاری پروٹوکول کا مقصد سزائے موت کو مکمل طور پر ختم کرنا ہے۔ لہٰذا، ان جرائم کے بارے میں تحفظات جن کی سزا شریعت کے تحت سزائے موت ہے، مذکورہ پروٹوکول کے مقصد اور مقصد کے خلاف ہوگی۔

سزائے موت کے اطلاق کو صرف ان جرائم تک محدود کیا جائے جن کے لیے اسلامی قانون میں صرف سزائے موت تجویز کی گئی ہے۔ اگر حدود و قصاص کے علاوہ دیگر جرائم پر بین الاقوامی قانون میں سزائے موت پر پابندی لگائی جائے تو مسلمان ممالک اور بالخصوص پاکستان اس معاہدے کا فریق بن سکتا ہے۔ اور سزائے موت کو زیادہ سے زیادہ ختم کرنے کے لیے چند نئی قانون سازی کرنا آئین پاکستان کی خلاف ورزی شمار نہیں ہوگی۔ دیگر اسلامی ممالک بھی پاکستان کی پیروی کرتے ہوئے ملکی سطح پر بین الاقوامی انسانی حقوق کے قوانین کو شامل کر سکتے ہیں۔ اس لیے مپاکستان کو چاہیئے کہ اگر سزائے موت کو مکمل طور پر ختم نہیں کر سکتا تو ممکنہ حد تک سزائے موت کو ختم کرنا شروع کریں۔

کتابیات

محمد بن احمد بن ابی سھل السرخسی، **المبسوط**، (دار المعرفہ بیروت: ۱۹۹۳)۔

عبد الغنی بن طالب بن حمادہ بن ابراھیم الدمشقی الحنفی، **اللباب فی شرح الکتاب**، (المکتبہ العلمیہ بیروت)۔

ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی، **ردالمحتار علی الردالمختار**، (بیروت: دار الفکر ۱۹۹۲)۔

محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری، **صحیح البخاری**، (دار طوق النجات ۱۴۲۲ھ)۔

وزارت الأوقاف والشئون الاسلامیہ کویت، **الموسوعہ الفقھیہ الکویتیہ** (دار السلاسل کویت ۱۴۲۷ھ)۔

برہان الدین ابی الحسن المرغینانی، **الہدایہ شرح بدایتہ المبتدی**، (بیروت: دار الاحیأ التراث العربی)۔

الکاساني، ابو بکر بن مسعود، علاء الدین، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء)۔